وسطی ایشیا میں "سیاسی اسلام"

(ایک ممتاز روسی تجزیہ نگار الیکسی میلاشنکو نے روسی اخبار "نزاو سیمایا گزٹا" میں سابق سوویت یونین کے علاقوں میں "سیاسی اسلام" کی پیش رفت سے متعلق درج ذیل تجزیہ کیا ہے۔)

گذشتہ موسم خزاں کے دوران آزاد ممالک کی دولت مشترکہ کی سطح پر رونما ہونے والے واقعات میں روسی حکمرانوں کی طرف سے تاجکستان کی حزب نہضت اسلامی پارٹی کے سربراہ سیّد عبداللہ نوری کے ساتھ روابط کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ماسکو، جواب تک وزیر خارجہ اندرے کوزیروف کے توسط سے تاجکستان کے حکمران حلقوں کو اپوزیشن کے ساتھ لچکدار روّیہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا رہا ہے، نے پہلی دفعہ بیرونی سراغ رسانی کے شعبہ کے سربراہ یوجنی پریماکوف کی کوششوں سے خود تاجکستان کی حزب اختلاف کے رہنماؤں سے روابط قائم کر کے اسلام پرست اپوزیشن کے ساتھ لچکدار رویہ کی روایت قائم کی۔ قطع نظر اس کے کہ ان روابط کے نتیجہ میں تاجک بحران کو حل کرنے کے سلسلہ میں کیا پیش رفت ہوئی، یہ روابط اپنی جگہ اس لحاظ سے خاصی اہمیت کے حامل تھے، کہ ان کے نتیجے میں بالواسطہ طور پر "سیاسی اسلام" کو قانونی اور جائز قوت کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ اور اس میں کوئی غیر معمولی پہلو ہے بھی نہیں، کیونکہ وسطی ایشیا کی نوآزاد مسلم ریاستوں میں احیائے اسلام کی تحریکات کا وجود بالکل اسی طرح فطری ہے جیسا کہ وہاں سابق سوویت عہد کے پرستار کمیونسٹوں کا وجود۔

اس تناظر میں ازبکستان کے صدر اسلام کریموف کی طرف سے اسلام پسندوں کی سیاسی تنظیم "عدالت" (Adolat) کے خلاف شروع کی گئی جورو ستم کی مہم بھی وسط اشیا کے حکمرانوں کی طرف سے "سیاسی اسلام" کو اپنی حکمرانی کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھنے کا ایک فطری نتیجہ ہے۔ حکمرانوں کی نظر میں یہی لوگ ان کے سب سے بڑے سیاسی حریف ہیں، جو مستقبل میں ان کے اقتدار کے لیے حقیقی خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حکمرانوں کے رویے اور طرز عمل واضح طور پر تضادات کا شکار ہیں۔ ایک طرف تو یہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ "اسلامی بنیاد پرستی" وسط ایشیا میں کمزور ہے اور یہ کہ سابق سوویت یونین کے علاقوں میں "سیاسی اسلام" کے تقویت پکڑنے کی توقع غیر حقیقیت پسندانہ ہے۔ لیکن دوسری طرف ان کا طرزِ عمل سیاسی اسلام کی قوت سے خوفزدگی اور سراسیگی کا غماز ہے۔

گو کہ حکومت کے اعلیٰ ترادارتی عہدوں تک رسائی کے لیے اسلام پسندوں کو ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد سے گذرنا پڑے گا، لیکن وہ اس سمت میں بالکل صحیح طریقہ سے قدم بڑھا رہے ہیں۔ مزید برآں انہوں نے، بے شک مختصر سے وقت کے لیے ہی سہی، سیاسی سطح پر اہم ترین کامیابیاں حاصل کر کے "سیاسی اسلام" کو حقیقت کا روپ دیا ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ دولتِ مشترکہ کی آزاد ریاستوں میں "سیاسی اسلام" جنونیت اور انتہا پسندی کے رجحانات سے قطعاً خالی ہے۔ تاجکستان میں خانہ جنگی کے دوران مارے جانے والے بے گناہ شہریوں کا خون نہ صرف حکومت بلکہ حزبِ مخالف کی اسلامی جماعتوں اور ان کے سربراہوں کے ضمیر پر بھاری بوجھ بنا ہوا ہے۔ اور اسی لیے وہ نہ صرف مستقبل میں خانہ جنگی کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات پر زور دے رہے ہیں، بلکہ ایک ایسے سیاسی نظام کے قیام کی کوششیں کر رہے ہیں، جس میں مختلف نظریات کی حامل متعدد سیاسی پارٹیوں کو آئین کے اندر رہ کر کام کرنے کی اجازت ہو۔

وسطی ایشیا میں سیاسی اسلام کی نمائندگی کرنے والی سیاسی جماعتوں کی قیادت کی اکثریت اعتدال پسندوں پر مشتمل ہے، جو اسلامی معاشرہ کی تشکیل، اسلامی حکومت کے قیام اور شریعت اسلامیہ کے نفاذ جیسے بنیادی مسائل کے بارے میں ایک متوازن سوچ رکھتے ہیں۔ اسلامی تحریکات کی کامیابی ہمیشہ سے مضبوط کردار کے حامل قائدین کی مرہون منت رہی ہے۔ تحریک اسلامی کو ایک منظم معاشرتی اصلاح کی حامل قوت میں بدلنے کا عمل ہمیشہ سے مخلص اور مضبوط قیادت کا محتاج رہا ہے۔ وسطی ایشیا میں احیائے اسلام کی تحریکیں اگرچہ اب تک مطلوبہ معیار کی قیادت پیدا نہیں کر سکی ہیں، لیکن یہ تحریکیں بتدریج مخلص اور مضبوط رہنماؤں کے ظہور کے لیے مناسب حالات پیدا کر رہی ہیں۔

آج صورت حال یہ ہے کہ وسط ایشیا کے مسلمان جس قدر روس سے خائف ہیں اس سے کہیں زیادہ خود روسی مسلمانوں کی طرف سے پریشان ہیں۔ مسلمان روسی حکومت سے کیا توقع رکھتے ہیں۔؟ ہمارے نئے (روسی) پارلیمان (Duma) پر کن لوگوں کا قبضہ ہوگا؟ اور اس پس منظر میں مسلم روسی تعلقات پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟۔ بالفاظ دیگر وسطی ایشیا اور قفقاز کے مسلم عوام ماسکو سے مستقبل میں کس قسم کے روّیہ کی توقع کر سکتے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے دیگر سوالات بے معنی نہیں ہیں۔ روسی قوم پرست زر نووسکی کی روسی پارلیمنٹ کے انتخابات میں کامیابی نے مسلم عوام کی پریشانی کو مزید بڑھا دیا ہے۔ زر نووسکی نے روسیوں سے وعدہ کیا ہے کہ روسی افواج بحر ہند تک پہنچ کر دم لیں گی۔ زر نووسکی جس کی بنیادی تعلیم مشرقی علوم میں تخصص ہے، اور جو انتہائی ذہین واقع ہوئے ہیں، روس کی مغرب نواز جمہوری قوتوں کے برعکس سابق سوویت یونین کے زیرِ نگین علاقوں اور وسطی ایشا کے روس کے ساتھ دوبارہ الحاق کے خواب دیکھتا ہے۔ سابق سوویت یونین کے نقشہ پر نظر دوڑانے والے کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ نئے سرے سے روسی سلطنت کے قیام کے سلسلہ میں وسطی ایشیا کے وسیع

خطے کو نظر انداز کر دے۔ دراصل وسطی ایشیا کو شامل کیے بغیر مجوزہ نئی سلطنت کا نقشہ ادھورا سا رہے گا۔ بہر حال اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خود زر نووسکی بھی اس بات سے لاعلم ہے کہ سابق سوویت یونین کی ازسرِ نو بحالی اور دولت مشترکہ کے آزاد ممالک کے دوبارہ روس کے ساتھ الحاق کا عمل کیونکر انجام پائے گا۔ مزید یہ کہ اس طرح کے ممکنہ اقدامات کو ان ممالک کے قوم پرست اور اسلام پسند کس نظر سے دیکھیں گے، اور ان کا ردِ عمل کیا ہو گا۔

وسطِ ایشیا کی نوآزاد ریاستوں کے موجودہ رہنماؤں نے جس نا رضامندی اور نیم دلانہ انداز سے روس سے جدائی اختیار کی تھی، وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ اگست ۱۹۹۱ء میں ان کی طرف سے اختیار کردہ "دیکھو اور انتظار کرو" کی پالیسی درحقیقت "ہنگامی حالت کی سٹیٹ کمیٹی" کی قانونی حیثیت کا اعتراف کرنے کے مترادف تھی۔ بعض سیاسی ماہرین کے خیال میں سابق سوویت یونین کی مسلم جمہوریاؤں کے رہنماؤں کی اکثریت کسی بھی نئی شکل میں سوویت یونین کے احیاء کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھے گی۔

دوسری طرف وسطی ایشیا اور کاکیشیا کی استبدادی حکومتیں ہمیشہ نہ صرف روسی کمیونسٹوں کی توقعات پر پورا اتری ہیں، بلکہ انہیں عملی طور پر ان کی ہمدردیاں بھی حاصل رہی ہیں۔ قصہ کوتاہ دکھائی یہ دے رہا ہے، کہ اگر کل کو روسی کمیونسٹوں، لبرل ڈیموکریٹس اور دیگر سیاسی قوتوں کا اتحاد ماسکو میں برسرِ اقتدار آجائے تو وسطِ ایشیا کے حکمران ان کے ساتھ افہام و تفہیم کے لیے ایک "مشترک زبان" ایجاد کرنے میں یقیناً کامیاب ہوں گے۔ ایسی صورت میں نوآزاد مسلم جمہوریاؤں میں وقتاً فوقتاً سنائی دی جانے والی روسی استعماری سوچ کے احیاء کے بارے میں تشویش کی آواز کو "قوموں کی دوستی کے احیاء" کے نذر کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس لیے کہ "اگرچہ ایک آزاد ملک کا سربراہ ہونا یقیناً باعث عزت و شرف ہے تاہم (کیمونسٹ پارٹی) کے فرسٹ سیکرٹری کا عہدہ اس سے بھی زیادہ پُرکشش ہوا کرتا تھا"۔

آج سوویت یونین کے احیاء پر یقین کرنا اتنا ہی مشکل لگتا ہے جتنا آج سے پانچ برس قبل اس کی شکست و ریخت پر یقین کرنا مشکل تھا۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ سابق سوویت یونین سے آزاد ہونے والی ریاستوں کا سیاسی وجود اتنا ہی ناقابلِ یقین ہے جتنا کہ پہلے کبھی تھا۔ ماضی کی یادیں نہ صرف سابق سوویت حدود کے اندر بلکہ پڑوس کے مسلم ممالک میں بھی محسوس کی جاتی رہیں گی۔ سوویت یونین کے زوال کے ساتھ ہی عالمِ اسلام نے اپنے آپ کو براہ راست مغرب کے دو بدو پایا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ سوویت یونین کے زوال کے ساتھ مسلمانوں کی بدقسمتی اور برے دنوں کا اختتام ہو گیا۔